مرض وصحت اور اسلام

(۳)

سید جلال الدین عمری

متعدی امراض سے بچنے کی ہدایت متعدی امراض سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلہ کی احادیث پیش کرنے سے پہلے ہم ایک اور حدیث پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے بظاہر کسی بھی مرض کے متعدی ہونے کی نفی ہوتی ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لاعدوی[لہ] بیماری کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں ہے

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ امراض متعدی نہیں ہوتے ان کے متعدی ہونے کا تصور غیر اسلامی ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے اس میں درحقیقت مرض کی چھوت چھات کے جاہلانہ تصور کی تردید ہے۔ یہ دنیا اسباب وعلل کی دنیا ہے۔ اس لئے اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے بعض امراض میں اللہ تعالے نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ان کے جراثیم تیزی سے پھیلتے ہیں اور جو جاندار بھی ان کی زد میں آتا ہے اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے کسی مرض میں جب کوئی شخص مبتلا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے

لہ بخاری کتاب الطب، باب لاعدویٰ۔

والوں کو احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتیاط نہ ہو تو وہ بھی اس کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں لیکن یہ انسان کی نادانی ہے کہ وہ مادی اسباب ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے اور اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ اسباب اور ان کے نتائج دونوں خدا کی مرضی کے پابند ہیں اور وہ نہ چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بیماری فی نفسہ متعدی نہیں ہوتی بلکہ وہ اگر کسی کو لگتی ہے تو خدا کے حکم سے لگتی ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اسباب و علل کا انکار نہیں فرمایا ہے، بلکہ اسباب کو خدا کا مقام دینے سے منع کیا ہے ایک حدیث میں آپ نے صاف صاف بیماری کے متعدی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔

لَا یُوْرِدَنَّ مُمْرِضٌ عَلٰی مُصِحٍّ[1] — جس کے اونٹ بیمار ہوں وہ ان کو پانی پلانے کے لئے اس گھاٹ پر نہ لے جائے جہاں کسی کے تندرست اونٹ پانی پیتے ہوں۔

بیمار جانوروں کو تندرست جانوروں سے الگ رکھنے کی اس لئے تاکید کی گئی ہے تاکہ بیماری ان میں بھی نہ پھیلے یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے پہلی حدیث میں جاہلیت کے اس عقیدہ و خیال کی تردید ہے کہ بیماریوں کے پھیلنے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے بلکہ وہ اپنے طور پر پھیلتی رہتی ہیں۔ اس میں اس بات کا انکار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے تحت متعدی امراض سے نقصان پہونچتا ہے۔ دوسری حدیث میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فیصلہ کے تحت جن چیزوں سے بالعموم نقصان پہونچتا ہے ان سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے یہی جمہور علماء کا مسلک ہے اور اسی کو اختیار کیا جانا چاہیئے[2]

مطلب یہ کہ حدیث میں مرض کے متعدی ہونے کی نفی نہیں ہے بلکہ مرض ہی کو حقیقی علت سمجھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے متعدی امراض سے دور رہنے کی ہدایت بھی ہے۔

جذامی سے دور رہا جائے | جذام بڑا بھیانک اور متعدی مرض ہے اس کے بارے میں۔۔۔

---

[1] بخاری، کتاب الطب، باب الاھامۃ [2] شرح مسلم ۲/

ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فر من المجذوم کما تفر من الاسد [1]　　　جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

عمر بن شرید کہتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف کے وفد میں ایک جذامی تھا۔ جب وفد نے بیعت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہلوا دیا :-

انا قد بایعناک فارجع [2]　　　ہم نے تم سے بیعت کر لی تم واپس جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لا تدیموا النظر الی المجذومین [3]　　　جذامیوں کو مستقل دیکھنے سے نہ رہو۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح کے مریضوں کو مسلسل دیکھنے سے بھی انسان پر خراب اثرات پڑتے ہیں۔ اسی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے :-

واذا کلمتموھم فلیکن بینکم وبینھم قدر رمح [4]　　　جب تم ان سے بات چیت کرو تو تمہارے اور ان کے درمیان ایک نیزہ فاصلہ ہونا چاہیے۔

اس مرض میں ایک طرح کی بدبو ہوتی ہے یہی اس کے پھیلنے کا سبب بھی ہے اسی لئے اس سے دور رہنے کی ہدایت ہے اس حدیث میں گو کسی قدر ضعف ہے لیکن اوپر کی حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحیح اور تندرست آدمی کو جذامیوں سے احتیاط برتنی چاہئے

---

[1] بخاری کتاب الطب، باب الجذام [2] مسلم کتاب السلام، باب اجتناب المجذوم ونحوہ۔ ابن ماجہ ابواب الطب۔ [3] ابن ماجہ، ابواب الطب، باب الجذام، اس کی سند کمزور ہے فتح الباری ۱۰/۱۳۳

[4] اس کے ایک راوی فرج بن فضالہ کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو، مسند احمد ۲/۲۶ تحقیق احمد محمد شاکر۔

خود جذامیوں کو بھی بھرے مجمعوں، بازاروں اور پبلک مقامات سے دور رہنا چاہئے۔ ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک جذامی عورت کو طواف کرتے دیکھا تو اس سے کہا: اللہ کی بندی! لوگوں کو اذیت مت دے۔ اگر تم گھر ہی میں بیٹھی رہتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ اس کے بعد وہ گھر ہی میں رہنے لگی۔ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ایک شخص نے اس سے کہا جنھوں نے تمہیں منع کیا تھا ان کا تو انتقال ہوگیا ہے۔ اب تم نکل سکتی ہو۔ اس نے جواب دیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کی زندگی میں تو ان کی اطاعت کروں اور ان کے انتقال کے بعد مخالفت شروع کردوں[1]۔

جذامی سے ایک تو لوگوں کو کراہت اور تکلیف ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ اختلاط سے اس مرض کے پھیلنے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت عمرؓ نے اس عورت کو الگ رہنے کی ہدایت کی اور اس نے اس پر عمل کیا۔

اگر جذامی کہیں زیادہ تعداد میں ہوں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ایک رائے یہ ہے کہ ان کو مساجد، پبلک مقامات، اور جلسوں وغیرہ میں جانے سے منع کیا جائے گا اور ان کے لئے الگ مکانات اور رہائش گاہیں بنادی جائیں گی۔ قاضی عیاض کے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہی جمہور کی رائے ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ کہیں بھی انہیں آنے جانے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کوئی شاذ و نادر کیس ہو تو اس طرح کے اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں ہے[2]۔

آخر میں اس سلسلہ کی ایک اور روایت سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کھانے کے پیالہ میں اسے شریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

کل بسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ[1]   اللہ کا نام لیکر کھاؤ اور اللہ ہی پر بھروسہ اور توکل ہے

---

[1] موطا امام مالک، کتاب الحج، جامع الحج۔ [2] فتح الباری ۱۰/۱۲۶، نووی شرح مسلم ۲/۲۳۴

[1] ترمذی ابواب الاطعمہ، باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم۔ ابوداؤد، کتاب الکہانۃ والتطیر، ابن ماجہ ابواب الطب۔

بظاہر یہ حدیث اوپر کی احادیث سے ٹکراتی ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے اس لیے صحیح احادیث کے مقابلہ میں اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ امام ترمذی نے اس کے راوی پر جرح کی ہے اور اسے غریب کہا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عمرؓ سے اس پر عمل میرے نزدیک ثابت ہے۔ ظاہر ہے حضرت عمرؓ کے عمل کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کی کیا توجیہہ ہے؟

اس کی بہت سی توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ مرض کے مختلف مراحل ہوتے ہیں ابتدا میں کوئی بھی مرض اتنا بھیانک اور قابل احتراز نہیں ہوتا جتنا بعد کے مراحل میں ہوتا ہے بعض اوقات مرض کی علامات ظاہر تو ہوتی ہیں لیکن ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرض بہت ہلکا ہے اور زیادہ تکلیف دہ شکل اختیار نہیں کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جذامی کے ساتھ کھانا کھایا تھا ہو سکتا ہے اس کا مرض اسی نوعیت کا ہو اور آپؐ نے احتیاط کی ضرورت نہ محسوس فرمائی ہو۔

یہ توجیہہ اچھی تو ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ فی الواقع وہ جذامی اسی نوعیت کا تھا۔ اس کی بہتر توجیہہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عمرؓ نے جذامی کے ساتھ اس لئے کھانا کھایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس سے احتراز کا حکم احتیاط کے لئے ہے۔ اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے اس لئے کہ اسے واجب قرار دیا جاتا تو اس طرح کے مریضوں کے قریب کوئی نہیں جاتا اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا اور پرسان حال کوئی نہ ہوتا[1]۔

طاعون زدہ مقام پر نہیں جانا چاہیے — اس کی ایک اور مثال طاعون کے سلسلہ کے احکام ہیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا سمعتم بالطاعون بارض — جب تمہیں معلوم ہو کہ کسی جگہ طاعون ہے

---

[1] اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو، الطب النبوی للامام ابن قیم ص ۱۱۶، ۱۲۱۔ فتح الباری ص ۱۰/۱۲۱-۱۲۶۔

فلا تدخلوھا واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا منھا[۱] | تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں اگر طاعون پھیل جائے تو اسے چھوڑ کر چلے مت جاؤ۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو شام کے سفر میں جب معلوم ہوا کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو صحابہؓ سے مشورہ کے بعد راستہ ہی سے واپسی کا فیصلہ فرمایا۔ اس پر حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ یہ تو اللہ کی تقدیر سے فرار ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا:

نعم نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ | ہاں! ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی تائید میں مذکورہ بالا حدیث سنائی تو حضرت عمرؓ کو مزید اطمینان ہوا اور صحابہؓ کے ساتھ لوٹ آئے[۲]۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب متعدی امراض سے احتیاط کا حکم ہے تو جہاں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں قیام بھی نہیں کرنا چاہئے؟ لیکن جہاں طاعون پھیلا ہوا ہے اسے چھوڑنے اور باہر سے وہاں پہنچنے میں بڑا فرق ہے۔ کسی طاعون زدہ مقام سے صحت مند افراد بھاگ کھڑے ہوں تو جو لوگ اس میں مبتلا ہیں ان پر بہت ہی ناگوار اثر پڑ سکتا ہے بعض اوقات اس کی بھی نوبت آسکتی ہے کہ ان کی دوا دارو اور دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہ ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ ان کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہو سکے۔ کسی شخص سے قریبی تعلق رکھنے والوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیمار ہو تو اس کی دیکھ بھال اور خدمت کریں اور اس کی ضرورتیں پوری کریں۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو بہتر طریقے سے تجہیز و تکفین کریں۔ اس میں غفلت اور کوتاہی اخلاق و شرافت کے بھی منافی ہے اور دین و شریعت کے بھی خلاف ہے۔ بلاشبہ احتیاط کی بھی ایک اہمیت ہے لیکن احتیاط کے نام

---

[۱] بخاری، کتاب الطب، باب ماجاء فی الطاعون، مسلم، کتاب السلام، [۲] حوالہ سابق۔

پر موت کے ڈر سے بھاگتے پھرنا اور اپنی ذمہ داریوں کو بھول جانا بہت بڑا جرم ہے۔ چنانچہ اوپر کی حدیث میں ہمیں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں :-

واذا وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فرارًا منہ لہ	جب وہ کسی جگہ پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو فرار کے خیال سے اسے نہ چھوڑو ۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ طاعون زدہ مقام کو وقت ضرورت چھوڑا بھی جا سکتا ہے البتہ فرار اختیار کرنا صحیح نہیں ہے جو شخص طاعون زدہ مقام سے نہ بھاگے اسے شہید کے سے اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہے ۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں :

لیس من عبد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرًا یعلم انہ لن یصیبہ الا ما کتب اللہ الا کان مثل اجر الشہید ٢ہ	جو بندہ بھی طاعون کے پھوٹ پڑنے پر اپنے شہر میں صبر کے ساتھ ٹھہرا رہے اور یہ یقین کرے کہ وہی پیش آئے گا جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے تو اسے شہید کے ثواب کے برابر ثواب ہو گا

طاعون زدہ مقام کو نہ چھوڑنے پر کوئی بھی شخص اس اجر عظیم کا حقدار اسی وقت ہو گا جبکہ وہ جزع و فزع اور گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کرے ۔ بلکہ صبر و سکون کے ساتھ رہے ۔ اور اسے یہ یقین ہو کہ اللہ کے فیصلہ اور مشیت کے بغیر دنیا کی کوئی بھی چیز اور کوئی بھی وبا اسے نقصان نہیں پہونچا سکتی ۔ جس شخص کے اندر یہ ایمان و یقین ہو اسی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ خود بھی استقامت کا ثبوت دے گا اور دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھے گا ۔ جو شخص ان حالات میں

لہ بخاری، کتاب الطب، باب ما جاء فی الطاعون ، مسلم، کتاب السلام ۔

٢ہ بخاری، کتاب الطب، باب اجر الصابر علی الطاعون ۔

ہوش و حواس کھو بیٹھے اور جسے اللہ پر بھروسہ ہی نہ ہو وہ دوسروں کو صبر و توکل کی کیا تلقین کر سکتا ہے اور ان کی مدد کی اس سے کیا توقع کیا جا سکتی ہے ؟

امام نووی نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں جانا نہیں چاہیئے البتہ جو شخص وہاں موجود ہے اسے موت کے ڈر سے بھاگنا بھی نہیں چاہیئے ۔ ہاں ضرورت پڑنے پر وہ جا بھی جا سکتا ہے یہی جمہور کا مسلک ہے[۱]۔

مزید فرماتے ہیں : اس میں جس طرح مکروہات اور ان کے اسباب سے بچنے کی تعلیم ہے اسی طرح انہیں مصائب میں اللہ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دینے کی بھی ہدایت ہے[۲]۔

حلال چیزوں سے علاج کیا جائے | اسلام نے زندگی کے ہر مسئلہ میں حرام و حلال کے حدود واچھی طرح واضح کر دیئے ہیں ۔ کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں بھی اس نے حرام و حلال کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے حلال چیزوں سے انسان اپنی ضرورتیں پوری کر سکتا ہے حرام چیزوں سے پوری نہیں کر سکتا ۔ دوا اور علاج کے لئے بھی وہی چیزیں استعمال کی جا سکتی ہیں جو حلال اور طیب ہیں ۔ جن چیزوں کو حرام اور خبیث کہا گیا ہے بطور دوا بھی ان کا استعمال صحیح نہیں ہے ۔ بیماری میں آدمی حلال و حرام کی پابندی مشکل ہی سے کرتا ہے ۔ اور اس سے بہت سی بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں ۔ اس لئے احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ دوا کے لئے حرام چیزیں نہ استعمال کی جائیں صرف حلال چیزوں سے علاج کیا جائے ۔

حضرت ابو درداءؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان اللہ انزل الداء والدواء	بے شک اللہ تعالیٰ نے بیماری اور دوا
وجعل لکل داء دواء فتداووا	دونوں چیزیں اتاری ہیں اور ہر بیماری
ولا تداووا بحرام[۳]	کی دوا رکھی ہے لہٰذا تم (حلال چیزوں سے)

---

[۱] نووی شرح مسلم ۲/۲۲۸ [۲] حوالہ سابق ص ۲۲۹

[۳] ابوداؤد ، کتاب الطب ، باب فی الادویۃ المکروہۃ ۔

علاج کراؤ اور حرام چیزوں سے علاج نہ کراؤ۔

طارق بن سوید جعفی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب بنانے کی اجازت مانگی تو آپ نے انہیں اس سے منع فرمایا انہوں نے عرض کیا: ہم تو اسے دوا کے لئے استعمال کرتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

انہ لیس بدواء ولکنہ داء[1] — وہ دوا نہیں ہے وہ (تو خود ایک) بیماری ہے۔

عبدالرحمن بن عثمان بیان کرتے ہیں:۔

ان طبیباً سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الضفدع یجعلہا فی دواء فنہاہ عن قتلہا[2] — ایک حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا وہ اسے دوا میں استعمال کرسکتا ہے؟ آپ نے اسے مارنے سے منع فرمایا۔

حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں:۔

کان ابن عمر اذا دعا طبیباً یعالج بعض اصحابہ اشترط علیہ ان لا یداوی بشئ مما حرم اللہ عزوجل[3] — حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب اپنے لوگوں میں سے کسی کے علاج کے لئے حکیم کو بلاتے تو اس پر یہ پابندی لگاتے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام

---

[1] مسلم کتاب الاشربۃ، باب تحریم التداوی بالخمر۔ [2] ابوداؤد کتاب الطب، باب فی الادویۃ المکروہۃ۔ نسائی کتاب الصید والذبائح۔ باب الضفدع۔ [3] مستدرک حاکم ۴/۱۸۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۵۔

ٹھہرایا ہے ان میں سے کسی کے ذریعہ علاج
نہیں کرے گا۔

دوائیں مفرد بھی ہوتی ہیں اور مرکب بھی ان کا استعمال ان کی اصلی شکل میں بھی ہوتا ہے اور شکل بدل کر بھی۔ اسلام کے نزدیک حرام چیز کو کسی بھی شکل میں استعمال کرنا صحیح نہیں ہے اسلام کے ضابطہ حرام وحلال کو ماننے کے بعد پوری طب کا ایک خاص رُخ متعین ہو جاتا ہے۔ اس میں مریض اور معالج دونوں کی کوشش ہوگی کہ حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے اور صرف حلال اور پاک چیزیں دوا کے لئے استعمال کی جائیں۔ آج فن طب بہت ترقی کر چکا ہے۔ جدید معلومات اور تحقیقات نے اسے کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں یہ فن ہے۔ وہ حلال وحرام کے تصور ہی سے ناواقف ہیں نہ دوا سازی میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے اور نہ علاج ومعالجہ میں۔ وہ کسی بھی چیز کو اس پہلو سے نہیں دیکھتے کہ وہ حرام ہے یا حلال، ان کو صرف اس سے بحث ہوتی ہے کہ کونسی چیز قابل استفادہ ہے اور اس سے کیا طبی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس وجہ سے پورا فن حرام وحلال کا آمیزہ ہو کر رہ گیا ہے۔ جب تک یہ فن مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا حرام وحلال کی پوری رعایت کی جاتی تھی۔ حرام چیز کو بطور دوا نہ تو حکیم تجویز کرتا تھا اور نہ مریض استعمال کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بعض اوقات آدمی حرام چیز کو کسی نہ کسی شکل میں دوا کے لئے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی بدل اس کے علم وتحقیق میں نہیں ہوتا۔ اس صورت میں اس کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو حرام چیز کے ذریعہ علاج کرے یا مرض کی تکلیف برداشت کرتا رہے جب ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کا جواب انشاء اللہ آئندہ صفحات میں دینے کی کوشش کی جائے گی۔